از جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب

بھارت کا تازہ سفرنامہ

سہارنپور، انبیٹھہ، گنگوہ اور نانوتہ

سہارنپور پہنچ کر میں نے گھنٹہ گھر کے قریب راج دوت ہوٹل میں قیام کیا اور بارہ بجے کے قریب بس اسٹینڈ پہنچ گیا۔ وہاں جاکر میں نے انبیٹھہ جانے والی بس کے بارے میں استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ ضلع سہارنپور میں اس نام کے دو قصبے ہیں۔ ان میں سے ایک قصبہ انبیٹھہ مرزاپور کے نام سے موسوم ہے اور یہ تحصیل دیوبند میں ہے۔ اور دوسرا قصبہ تحصیل نکوڑ میں ہے۔ اور وہ انبیٹھہ پیرزادگان کہلاتا ہے مجھے موخرالذکر قصبے میں جانا تھا۔

سہارنپور سے انبیٹھہ کا فاصلہ بیس میل اور کرایہ ساڑھے تین روپے ہے۔ بس تقریباً ایک گھنٹے میں وہاں پہنچا دیتی ہے۔ اس قصبے کی آبادی دس ہزار سے زائد ہے جس میں چھ ہزار سے زیادہ مسلمان ہیں اس وقت قصبے میں ۲۶ مسجدیں ہیں۔ جو سب آباد ہیں۔ اس قصبے کو حضرت شاہ ابوالمعالی کی وجہ سے شہرت ملی۔ ہمارے زمانے میں مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، صاحب بذل المجہود نے اسے پورے ملک میں متعارف کرایا۔

مجھے حضرت شاہ ابوالمعالی کی کشش انبیٹھہ کھینچ لے گئی۔ موصوف بھاشا زبان کے مشہور شاعر اور صوفی سید میراں بھیک المعروف بہ شیخ بھیکا کے مرشد تھے۔ شاہ ابوالمعالی حضرت داؤد گنگوہی کے مرید تھے اور موخرالذکر کو حضرت محمد صادق گنگوہی سے خلافت ملی تھی۔ حضرت محمد صادق، شاہ ابوسعید گنگوہی کے خلیفہ تھے۔ اور وہ حضرت نظام الدین بلخی کے دامنِ ارادت سے وابستہ تھے۔ حضرت بلخی کو خرقہ خلافت حضرت جلال الدین تھانیسری نے پہنایا تھا اور وہ حضرت قطب العالم شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے خلیفہ اعظم تھے۔

میں درگاہ کے قریب ہی بس سے اترا اور ایک ہندو مسافر کی رہنمائی میں وہاں پہنچ گیا۔ حضرت شاہ ابوالمعالی کا مزار ایک وسیع احاطے کے اندر ایک بلند چبوترے پر ہے۔ اور اس پر شاہجہانی طرز کا ایک خوبصورت مقبرہ بنا ہوا ہے۔ مقبرہ کا سفید گردن دار گنبد اور چاروں کونوں پر خوبصورت برجیاں

عجب منظر پیش کرتی ہیں۔ گنبد کے سنہری کلس پر تو نظر نہیں ٹکتی۔ یہ عمارت میراں بھیک کے ایک غالی مرید نواب روشن الدولہ نے تعمیر کرائی تھی۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے نواب موصوف کی قبر قدم شریف دہلی میں دیکھی تھی۔ اس پر سبز رنگ کی چادر پڑی رہتی تھی جس پر اللہ، محمد، بھیکہ منقش تھا۔

مزار کا دروازہ مقفل رہتا ہے لیکن دروازے کے قریب ہی چابی لٹکی رہتی ہے۔ میں تالا کھول کر اندر داخل ہوا۔ مقبرہ میں حضرت کے مزار کے علاوہ چھ قبریں اور بھی ہیں جن میں سے چار جانب مشرق اور دو جانب مغرب ہیں۔

مزارات کے اوپر چھت گیری معلق تھی۔ اور مقبرے کے اندر بڑا روحانی ماحول تھا۔ میں تھوڑی دیر وہاں بیٹھا اور چند سورتیں پڑھ کر اصحابِ قبور کی روح کو ایصالِ ثواب کیا۔ مقبرے کی شمالی دیوار پر ایک کتبہ نصب تھا لیکن روشنی کم ہونے کی وجہ سے میں اسے پڑھ نہ سکا۔

مقبرے کے جانب شمال مشرق ایک پرانی طرز کی مسجد ہے۔ مسجد میں ایک وسیع صحن، برآمدہ اور دالان ہے۔ نماز ظہر کا وقت ہونے والا تھا۔ میں نے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ اور بعد نماز مسجد میں معتکف ایک بزرگ پیر جی ظفر علی سے ملاقات کی۔ یہ بزرگ حضرت شاہ ابوالمعالی کی اولاد میں سے ہیں اور سب کچھ چھوڑ کر مسجد میں آپڑے ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ حضرت کا عرس سال میں دو بار ۲۸ تا ۳۰ صفر اور ۲۸ تا ۱۰ رجب کو ہوتا ہے اور ان موقعوں پر اردگرد کے دیہات سے زائرین بڑی تعداد میں وہاں آجاتے ہیں۔ مسجد کے اندر بہت سے تبلیغی قطعات آویزاں تھے جو پاکستان کے چھپے ہوئے تھے۔

میری درخواست پر پیر جی ظفر علی نے رفیق احمد نامی ایک نوجوان کو میرے ساتھ کیا۔ وہ مجھے محلہ چھتہ میں مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ کے مکان پر لے گیا۔ اب یہ عقاب کا نشیمن زاغ کے تصرف میں آچکا ہے۔ یہ پر نور مکان بیرا نامی ایک کنجڑے کی ملک ہے۔ وہ خود تو فوت ہو چکا ہے۔ اس کی بیوہ وہاں مقیم ہے۔ اس نیک بخت نے مجھے مکان دیکھنے کی اجازت دی۔ میں ڈیوڑھی سے گزر کر صحن میں داخل ہوا۔ صحن کے آگے تین دروں کا ایک برآمدہ ہے۔ اور اس کے پیچھے دو کمرے ہیں۔ ان میں سے دائیں ہاتھ کا کمرہ مولانا مرحوم نے عبادت کے لیے مختص کر لیا تھا۔ اب یہ بابرکت کمرہ سٹور کا کام دیتا ہے۔ مکان کی چھت پر چڑھنے کے لئے بائیں ہاتھ ایک پختہ زینہ ہے۔ صحن کے ایک کونے میں ہینڈ پمپ نصب تھا۔ میں نے مولانا خلیل احمد رحمہ اللہ کے بابرکت گھر کا پانی پیا اور رفیق کے ساتھ واپس لوٹا۔ راستے میں محلہ سرائے پیرزادوں میں پیرزادوں کی راجپوتی طرز کی خوبصورت حویلیاں دیکھیں۔ ایسا فن تعمیر اس سفر کے دوران میں اور کہیں نظر نہیں آیا۔

درگاہ کے قریب ہی مجھے گنگوہ شریف جانے والی ویگن مل گئی۔ انبیٹھ سے گنگوہ کا فاصلہ چھ میل ہے اور کرایہ ڈیڑھ روپیہ ہے۔ ویگن پندرہ بیس منٹ میں گنگوہ پہنچا دیتی ہے۔ گنگوہ کی آبادی ۳۵ ہزار ہے اور وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ قصبے کی سیادت مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور الیکشن میں بھی وہی کامیاب ہوتے ہیں۔ مقامی ہندو حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے بڑے معتقد ہیں۔ اور ان کے مزار پر بڑی باقاعدگی کے ساتھ حاضری دیتے ہیں۔ بلکہ بعض ہندو تو سجادہ نشین کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت ہیں۔

ویگن اسٹینڈ کے قریب ہی مدرسہ اشرف العلوم کی شاندار عمارت ہے۔ میں پانچ سال بعد گنگوہ آیا تھا۔ اس وقت دارالحدیث کی عمارت زیر تعمیر تھی۔ اب یہ عمارت مکمل ہو چکی ہے۔ یہ گنگوہ کی سب سے زیادہ خوبصورت عمارت ہے۔ مدرسہ اشرف العلوم سے لکھنوتی جانے والی سڑک پر اندازاً دو فرلانگ کے فاصلے پر کھیتوں میں ایک مختصر سے باغ کے اندر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ محوِ خواب ابدی ہیں۔ میں ایک رکشہ لے کر وہاں پہنچا۔ اور مزار سے ملحقہ مسجد میں دو نفل ادا کئے۔ مسجد میں ایک ہینڈ پمپ نصب ہے۔ میں نے تبرکاً اس کا پانی نوش کیا اور حضرت اقدس کے مزار پر حاضر ہوا۔ میں نے چاروں قل پڑھ کر ان کی روح پُر فتوح کو ایصالِ ثواب کیا اور ان کے درجات کی بلندی کے لئے بارگاہِ لم یزل میں دعا کی۔ حضرت والا کی قبر کچی ہے۔ اور زمین کی سطح سے بالشت بھر اونچی ہے۔ قبر کے سرہانے ایک کتبہ نصب ہے جس پر یہ عبارت درج ہے:-

وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ [1]

۱۳۲۲ھ

فخر المحدثین راس الفقہاء قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

قدس اللہ سرہٗ العزیز

"تاریخ وصال ۸ جمادی الاخریٰ ۱۳۲۳ھ - ۱۱ اگست ۱۹۰۵ء یوم جمعہ

حضرت اقدس کے مزار پر انوار کے قریب ہی حضرت والا کی اہلیہ مرحومہ حکیم مسعود احمد اور صاحبزادی نصرت کی قبریں ہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مزار سے حضرت قطب العالم شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی درگاہ کا فاصلہ ڈیڑھ فرلانگ کے قریب ہے۔ جب ۱۹۷۸ء میں راقم الحروف پہلی بار یہاں آیا تھا تو اس

---

[1] اس کے عدد ۱۳۲۲ بنتے ہیں حضرت گنگوہیؒ کا سالِ وفات ۱۳۲۳ھ ہے تاریخ نکالنے میں ایک سال کا فرق ماہرین فن کے نزدیک جائز ہے۔

اس وقت حضرت کا مقبرہ بڑی خستہ حالت میں تھا۔ اب سجادہ نشین شاہ محی الدین قدوسی نے اس کی مرمت کرادی ہے۔ اور گنبد پر چینی کے برتنوں کے ٹکڑے لگا دیئے ہیں۔ جس سے گنبد کے حسن میں اضافہ ہوگیا ہے۔ میں نے درگاہ کی مسجد میں نوافل ادا کئے۔ اور اس کے بعد مزار پر حاضر ہوا۔ گنبد کے نیچے نو قبریں ہیں۔ جن کی ترتیب یوں ہے :-

شاہ فتح اللہ ابن شاہ عبدالصمد	شاہ عبدالصمد ابن شیخ حمید الدین	شیخ حمید الدین ابن عبدالقدوس	اہلیہ حضرت عبدالقدوس	حضرت عبدالقدوس
شیخ عزیز اللہ ابن فیض اللہ	شاہ فیض اللہ ابن رکن الدین	شیخ احمد	حضرت رکن الدین	

گنبد سے باہر تین قبریں ہیں ان کی ترتیب یوں ہے :-

شاہ محمد امتیاز جہاں سجادہ نشین	شیخ محمد محدث ابن عبدالقدوس	شیخ عبدالسلام ابن عبدالقدوس

درگاہ سے نکل کر میں شاہ محی الدین قدوسی صاحب سے ملنے گیا۔ موصوف سے میری پہلی ملاقات ندوۃ المصنفین دہلی میں دو سال قبل ہوئی تھی۔ انہوں نے چائے اور پان سے میری تواضع کی۔ اور بڑی دیر تک مصروف گفتگو رہے۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ گنگوہ شریف میں حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے لئے ایک اکیڈیمی قائم کریں اور ایک علمی مجلہ جاری کریں۔ اس اکیڈیمی میں ہر ماہ ایک علمی نشست ہو جس میں تحقیقی مقالے پڑھے جائیں۔

شاہ صاحب نے اس پر صاد فرمایا اور مجھے کہا کہ میں اس کام کی تفصیل لکھ کر انہیں بھیجوں۔ وہ جلد ہی اس پر کام شروع کردیں گے۔

شاہ صاحب نے ایک رات قیام کرنے پر اصرار فرمایا۔ میں نے معذرت کی اور رخصت چاہی۔ انہوں نے ایک خوبصورت چادر مجھے عنایت کی۔ یہ چادر مدتوں حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مزار پُر انوار پر پڑی رہی ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا عرس ۲۳ جمادی الثانی کو ہوتا ہے۔ اس روز حضرت کا جبہ مبارک درگاہ تک

جلوس کی صورت میں لایا جاتا ہے۔ پہلے وقتوں میں اسے ہاتھی کی پشت پر رکھ کر درگاہ تک لایا کرتے تھے اب چچا قریش حضرت گنگوہی کا جبّہ پہن کر ایک بس کی چھت پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بس زائرین کے ہجوم میں درگاہ تک آتی ہے۔

حضرت گنگوہیؒ نے سکندر لودھی۔ ابراہیم لودھی۔ بابر اور ہمایوں کا زمانہ پایا ہے۔ ان کا وصال ۹۴۵ھ میں ہوا تھا۔ ان کے صاحبزادے حضرت رکن الدین نے ان کے ملفوظات "لطائف قدوسی" کے عنوان سے جمع کئے تھے۔ حضرت رکن الدین سے حضرت مجدد الف ثانی کے والد ماجد مخدوم عبدالاحد نے فیض حاصل کیا تھا۔ حضرت گنگوہی کے رقعات کا مجموعہ "مکتوبات قدوسیہ" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ نے اپنے پردادا مرشد حضرت احمد عبدالحق ردولوی کے ملفوظات جمع کئے تھے جو انوار العیون کے نام سے طبع ہو چکے ہیں۔ ان تصانیف سے اس عہد کی معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔

میری استدعا پر شاہ معین الدین نے ایک رہبر میرے ساتھ کیا۔ اس کی رہنمائی میں شیخ ابوسعید گنگوہیؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ ان کا مزار عبدالقدوس کی درگاہ سے چند قدم کے فاصلہ پر ہے۔ ان کے مقبرہ کی عمارت چوکور ہے لیکن اس پر گنبد نہیں ہے۔ حضرت ابوسعید کو اپنے مرید شاہ محب اللہ الہ آبادی کی وجہ سے بڑی شہرت ملی ہے۔ مؤخر الذکر بزرگ کو وحدت الوجود میں غلو کی بنا پر ابن عربی ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

کیمبرج یونیورسٹی میں میرے ایک ساتھی عبدالرحمٰن الداعی نے، جو ان دنوں نائیجیریا میں علوم اسلامیہ کے استاد ہیں۔ پروفیسر آربری کی نگرانی میں شاہ محب اللہ پر ڈاکٹریٹ کے لئے مقالہ لکھا تھا۔ قارئین کرام کی اطلاع کے لئے عرض ہے۔ کہ حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمہ اللہ کے شجرۂ طریقت میں شاہ محب اللہ الہ آبادی کا نام آتا ہے۔

شاہ ابوسعید کی درگاہ سے میں شاہ محمد صادق گنگوہی کی درگاہ پر پہنچا۔ ان کے مقبرہ کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے۔

۷۸۶ اللہ محمد ہوالقدوس

مزار پر انوار حضرت شیخ محمد صادق محبوب الٰہی علیہ الرحمۃ الغفار

حضرت محمد صادق کے مقبرے کا گنبد بڑا خوبصورت ہے۔ گنبد کے نیچے حضرت والا کے علاوہ ان کے فرزند حضرت داؤد بھی محو خواب ہیں۔ اسی بزرگ سے حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے فیض اخذ کیا تھا حضرت داؤد کے حالات ان کے نواسے غلام عبدالقدوس نے حقائق داؤدی میں قلم بند کئے ہیں۔ اس تصنیف

دلپذیر کا ایک کرم خوردہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ حضرت محمد صادق کے مزار کے جانب مشرق ان کے دوسرے فرزند شیخ محمد کا مزار ہے۔ یہ تینوں مزارات ایک چبوترے پر ہیں ان کے گرد سنگ مرمر کا ایک خوبصورت کٹہرہ لگا ہوا ہے۔ یہ کٹہرہ ان حضرات کے ایک ہندو معتقد لالہ بشمبر داس انبالوی کا نذر کردہ ہے۔ گنبد کے اندر جھاڑ فانوس بہت ہیں۔ درگاہ میں بجلی لالہ بدھ پرکاش انبالوی نے لگوائی تھی۔ ان دونوں معتقدین کے نام پتھروں پر کندہ ہیں۔

درگاہ کے احاطے میں ایک مدرسہ اور مسجد بھی ہے۔ درگاہ کے قریب ہی سجادہ نشین حکیم محمد سعید قدوسی کی شاندار حویلی ہے جس پر جابجا اشعار منقوش ہیں۔ حویلی کی پیشانی پر عشرہ مبشرہ کے اسمائے مبارک منقوش ہیں۔ اور حویلی کا نام قصر الفضل کندہ ہے۔

" الٰہی ایں خانہ مبارک باشد " " رضی اللہ عن سکانہ " اور " خانہ آباد و دولت زیادہ بحق صاد " سے تاریخ بنا ۱۳۳۳ھ برآمد ہوتی ہے۔ دیوان خانے کی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے۔

دیوان خانہ عالیجناب حکیم محمد اسمٰعیل صاحب

ابو العیال صادقی قدوسی ۱۹۱۳ء

دیوان خانے کی دیوار جانب راست یہ ابیات منقوش ہیں۔

یاد داری کہ وقت زادنِ تو ہمہ خنداں بُدند و تو گریاں
آنچناں زی کہ وقت مردن تو ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

جانب چپ یہ اشعار کندہ ہیں۔

زباں بار دار اے مرد ہشیار اگر وقتِ ولادت مار زایند
ازاں بہتر بنزدیک خردمند کہ فرزندانِ ناہموار زایند

میری دانست میں ایک سجادہ نشین کے گھر پر اس سے بہتر شعر نہیں لکھا جا سکتا۔

قصر الفضل سے میں نے اپنے رہبر سے اجازت چاہی اور نانوتہ جانے کے لئے بس سٹینڈ پہنچ گیا بس کی روانگی میں ابھی کچھ دیر تھی۔ اس لئے ایک چبوترے پر نماز عصر ادا کی اور بس میں سوار ہو کر نانوتہ روانہ ہو گیا۔

گنگوہ شریف سے نانوتہ کا فاصلہ دس میل ہے اور بس والے دو روپے کرایہ وصول کرتے ہیں۔ میں کوئی نصف گھنٹے میں نانوتہ پہنچ گیا۔ نانوتہ میں سہارنپور جانے والی سڑک پر بڑے چوک سے اندازاً دو

فرلانگ کے فاصلے پر سڑک سے ذرا ہٹ کر ایک چار دیواری کے اندر دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب ابن مولانا مملوک العلی اور مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا محمد منیر کے علاوہ ان کے اعزہ کی بھی قبریں ہیں۔ میں نے ان قبروں کے کتبے نقل کر کے ماہنامہ بینات کراچی میں شائع کرا دیے ہیں (بابت ماہ اپریل ۱۹۸۴ء)

ان مزارات پر حاضری دے کر میں قصبے میں آیا۔ اور جامع مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی۔ امام صاحب مولوی عبدالجلیل فاضل دیوبند نے مجھے پہچان لیا۔ انہوں نے مجھے مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا مملوک العلی۔ مولانا محمد احسن۔ مولانا محمد منیر اور مولانا محمد مظہر حسن بانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے مکانات دکھائے انہوں نے مجھے مسجد کا وہ حصہ دکھایا جہاں پہلے مولانا محمد قاسم کا حجرہ ہوا کرتا تھا۔ امام صاحب اصرار کر کے مجھے اپنے مکان پر لے گئے۔ اور چند احباب کو بھی وہاں مدعو کیا۔ انہوں نے بڑی پر تکلف چائے پلائی اور دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔ امام صاحب سے یہ معلوم ہوا کہ نانوتہ کی آبادی پندرہ ہزار ہے اور وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ قصبے میں سات مساجد ہیں جو خوب آباد ہیں۔

امام صاحب سے اجازت لے کر میں بڑے چوک میں آیا اور وہاں سے بس میں سوار ہو کر عشاء کے وقت سہارنپور پہنچ گیا۔ (جاری ہے)

بقیہ سوویت روس اور مسلمان از صفحہ ۲۸

بوجھ کر تعلیمی اعتبار سے پسماندہ رکھ کر سیاسی اور اقتصادی مراکز سے دور اجتماعی فارموں سے منسلک رکھا گیا ہے۔ پروفیسر تیواری کے اس مطالعہ سے روسی کمیونسٹوں کے ظالمانہ مزاج پر وافر روشنی پڑتی ہے اور یہ عیاں ہو جاتا ہے کہ کس طرح انہوں نے مظلوم اقوام کو ان کی اپنی سماجی، ثقافتی اور روحانی زندگی سے محروم کر رکھا ہے انہوں نے روسی مسلمانوں کی جانب سے اسلام کے لئے کی جانے والی جدوجہد کا جائزہ اس صدی کی آٹھویں دہائی تک پیش کر کے اس دور کی سب سے اہم اور فیصلہ کن کشمکش کا مکمل نقشہ پیش کر دیا ہے جو ماسکو اور مکہ کے درمیان جاری ہے۔ بلکہ جو دنیا کی دونوں بڑی طاقتوں کی بنیادی وجہ ہے۔

پروفیسر تیواری نے وسط ایشیا کے مسلمانوں میں روسی ثقافت کے فروغ کی کوششوں اور اس کے خلاف جدوجہد نیز اقلیت اور اکثریت کے باہمی تعلقات کو جس محتاط اور علمی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس نے ان کی اس تصنیف کو اور دلآویز بنا دیا ہے ■

حکومت پاکستان

دفتر چیف کنٹرولر آف امپورٹس اینڈ ایکسپورٹس

امپورٹ کنٹرول

اطلاع عام

پاک چین بارٹر نمبر ۱۱ مجریہ ۱۵ اپریل ۱۹۸۲ء اور
پاک چین بارٹر نمبر ۱۲ مجریہ ۲۴ اپریل ۱۹۸۲ء کی برقراری

NO.32(84)IMP-I دفتر ہذا کے پبلک نوٹس نمبر 16(84)IMP-I مجریہ ۱۲ر مارچ ۱۹۸۴ء کو منسوخ کرتے ہوئے جملہ متعلقین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ پاک چین بارٹر نمبر ۱۱ مجریہ ۱۵ر اپریل ۱۹۸۲ء اور پاک چین بارٹر نمبر ۱۲ مجریہ ۲۴ر اپریل ۱۹۸۲ء کو برقرار رکھتے ہوئے اب لیٹرز آف کریڈٹ کھولنے کی تاریخ میں ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۴ء تک اور مال کی شپمنٹس مکمل کرنے کی تاریخ ۳۱ر جنوری ۱۹۸۵ء تک ترمیم کردی ہے۔

دستخط

(سعید اے زیدی)
ڈپٹی کنٹرولر

برائے چیف کنٹرولر آف امپورٹس اینڈ ایکسپورٹس

PID(I) 5474/12

بہترین لباس تقویٰ کا لباس ہے

”ذٰلِکَ خَیرٌ
لِبَاسُ التَّقْوٰی“

گل احمد ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

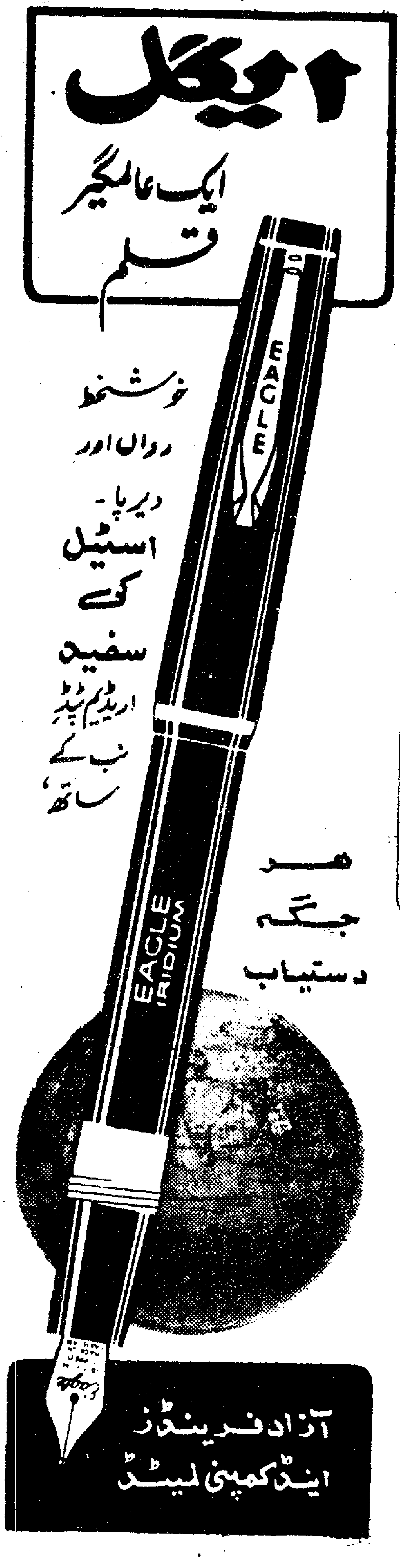
ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کی
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ،
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
EAGLE
IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ

کنول لان، صنم پاپلین
بے نظیر پاپلین
کہکشاں پرنٹس
سنگم بوسکی
مایہ ناز پاپلین
کمانڈر پاپلین
پریذیڈنٹ لان
جمال ۳۰۰۰ پاپلین
جمال ۵۰۰۰ لان
۲۔ ڈائمنڈ ٹسر
صنم ڈیلکس پاپلین
پول کارڈ
سوٹنگ
دِلکش
دِلنشیں
دِلفریب
حُسین
کے
پارچہ جات
حُسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حُسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔
HUSEIN
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حُسین ٹیکسٹائل ملز
حُسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
SOHRAB
سُہراب